انسان ہونے کا حق

تالیف : مسعود اشعر
ترجمہ : ناظر محمود

مشعل

انسان ہونے کا حق

تالیف: مسعود اشعر

ترجمہ: ناظر محمود

مشعل

آر-بی 5 ، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600، پاکستان

MashalBooks.org

ابتدائیہ

انسانی حقوق کا ایک پہلو تو وہ ہے جسے ہم اقوامِ متحدہ کے عالمی منشور کے حوالے سے جانتے ہیں اور جسے تمام ملکوں اور قوموں کے لئے حصول مقصد کا مشترک معیار قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ہر فرد اور معاشرے کا ہر ادارہ اس منشور کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہوئے تعلیم اور تبلیغ کے ذریعہ ان حقوق اور آزادیوں کا احترام پیدا کرے گا اور انہیں قومی اور بین الاقوامی اقدامات کے ذریعہ روبعمل لانے کے لیے بتدریج کوشش کرے گا۔ اسے ہم انسانی حقوق کا عملی اور قانونی پہلو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ان حقوق کا ایک علمی فکری اور نظری پہلو بھی ہے۔ وہ پہلو جس پر مختلف فکری اور سیاسی فلسفوں اور نظریوں نے اپنے اپنے طور پر غور و خوض کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیر نظر کتاب انسانی حقوق کے اس فکری اور نظری پہلو کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔

دراصل اس کتاب کا محرک اوپندر بخشی کی کتاب The Right to be Human ہے۔ اوپندر بخشی اور ان کے ساتھی مولفوں نے اپنی کتاب میں انسانی حقوق کے ہر پہلو کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور ان حقوق کا فلسفیانہ طور پر تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیر نظر کتاب میں ہم نے چار مضامین اس کتاب سے لئے ہیں۔ ان مضامین کا ترجمہ ناظر محمود صاحب نے کیا ہے۔ انہوں نے چار مضامین کے ترجمے کے ساتھ انسانی حقوق کی تاریخ پر ایک مبسوط مقالہ بھی تحریر کیا ہے جو اس کتاب میں شامل ہے۔ پاکستان کے بارے میں جو مضامین کتاب میں شامل کئے گئے ہیں ان کا تعلق انسانی حقوق کے عملی اور قانونی پہلوؤں سے ہے۔ معاشرے کے دوسرے طبقوں کے حقوق کے بارے میں تو اکثر بحث و مباحثے ہوتے ہیں۔

MashalBooks.org

ان پر لکھا بھی بہت جاتا ہے لیکن بچوں اور معذور افراد کے حقوق کے بارے میں ہمارے ذہن زیادہ صاف نہیں ہیں۔ اس لئے پاکستان کے حوالے سے جو مضامین کتاب میں شامل کئے گئے ہیں ان کا تعلق بچوں اور معذوروں سے ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کا مقصد پاکستان میں اس فکری بحث کو آگے بڑھانا ہے جو انسانی حقوق کے حوالے سے دنیا کے دوسرے ملکوں میں جاری ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم اپنے طور پر دعویٰ کرتی ہے کہ وہ انسانی حقوق کا سب سے زیادہ احترام کرتی ہے۔ اور اس دعوے کے لیے وہ بعض نظری اور فکری مباحث کا سہارا لیتی ہے۔ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ انسانی حقوق کیا ہیں اور انسان کو ''انسان ہونے کا حق کیسے مل سکتا ہے؟''

مسعود اشعر

MashalBooks.org

فہرست

پیش لفظ	آئی اے رحمٰن	۷
انسانی حقوق: عہد قدیم سے انقلاب فرانس تک	ناظر محمود	۱۳
انسانی حقوق سے انسان ہونے کا حق تک	اوپیندر بخشی	۳۶
حقوق کا جدید تصور اور مارکسی نقطۂ نظر	بھیکو پاریکھ	۵۲
انسانیت اور سماجی ترقی کے تصورات	چھتر پتی سنگھ	۷۷
سائنس ٹیکنالوجی اور انسانی حقوق کا مستقبل	کرسفر ویرا متری	۹۷
پاکستان میں بچوں کے حقوق کا تحفظ	ندیم فاضل ایاز	۱۱۴
معذور افراد کے حقوق	فواد عثمان خاں	۱۲۷

MashalBooks.org

پیش لفظ

اس کتاب کی پاکستان میں ان دنوں اشاعت کئی اعتبار سے بروقت ہے، اول یہ کہ انسانی حقوق پر فکری بحث کی روایت اس ملک میں نہایت کمزور ہے۔ انسانی حقوق کی اساس، ان اقدار پر مبنی نظام کے تقاضوں اور ان حقوق کی ابھرتی ہوئی جہتوں پر ہمارے ہاں بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ یہ کمزوری ملک میں انسانی حقوق کی تحریک کے فروغ میں مانع ہے۔ دوم، پاکستان میں جمہوریت کشی اور نمائندہ حکمرانی کے اصولوں سے گریز کی تاریخ اتنی طویل ہے اور اس نے ایسے مسائل پیدا کر دیئے ہیں کہ انسانی حقوق پر سنجیدہ گفتگو اور ان کے حصول کے لیے ترغیب سنگی جملہ بازی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ سوم، یہ کہ پاکستان تیسری دنیا کے ان ممالک میں شامل ہے، جہاں عالمی انسانی حقوق کی تحریک کو نئی مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر یہ صورت حال جاری رہی ہو نہ صرف پاکستان انسانی حقوق کے حوالے سے پسماندہ رہ جائے گا بلکہ عوام اس اعلیٰ ذہنی، مادی اور اخلاقی منصب کے حصول سے محروم رہ جائیں گے۔ جو ان کا حق ہے اور انسانی حقوق کی تحریک کا مقصد۔ اس لیے ہر ایسی کوشش قابل قدر ہے، جو انسانی حقوق کی بحث کو سطحی مذہبیت، ریاستی مصلحت اور گروہی مفادات کی دلدل سے نکال کر معقول، فکر انگیز معاملہ فہمی کی طرف بڑھاتی ہے، جو انسانی حقوق کو تاریخی پس منظر میں جانچنے کے بعد اس تحریک کے مستقبل پر اثرات کا اندازہ کرنا ممکن بناتی ہے۔

انسانی حقوق کے موجودہ تصورات کی عمر زیادہ نہیں، لیکن چونکہ انسانی حقوق کی تعریف اپنی اصل میں انسان کی عظمت کے تصور سے ماخوذ ہے، کسی نہ کسی شکل میں ان کا احساس ہر انسانی سماج میں پایا گیا۔ جیسے جیسے انسان نے اپنی تخلیقی صلاحیتیں دریافت کیں اور

MashalBooks.org

اپنی عظمت کا تصور اجاگر کیا، انسانی حقوق کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اس تحریک میں مختلف مذاہب کے بانیوں، سماجی مفکروں اور نیک دل قبائیلی سرداروں نے مختلف اقدار کی تبلیغ کر کے گراں قدر حصہ لیا۔ بے گناہ افراد کے قتل، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم اور پرائے مال پر قبضہ جمانے کے اقدامات کی مذمت یا محتاج اور مسافر کی دل جوئی کی تلقین انسانی حقوق کے اعتراف کی ابتدائی شکلیں تھیں، لیکن جمہوری دور سے قبل ان حقوق کا احترام حکمرانوں، پروہتوں یا سماج کے بالادست عناصر کی صوابدید پر منحصر تھا۔ وہی فیصلہ کرنے کے مجاز تھے کہ ان کی سیاسی یا اخلاقی عملداری میں کن افراد یا گروہوں کے کون سے حقوق تسلیم کیے جا سکتے تھے۔ انسانی مساوات کے اصول پر مبنی سیاسی تحریکوں نے فیوڈل اور خاندانی ملوکیت کی جگہ نمائندہ حکومتوں کا ڈھانچہ استوار کرنا شروع کیا اور ملکی اور عالمی نظام ہائے سیاست کا تصور سامنے آیا تو انسانی حقوق کو قانون کا تحفظ حاصل ہونے لگا، اور یہ حقوق ملکی دساتیر میں جگہ پانے لگے۔ یعنی ریاستیں اپنے آپ کو شہریوں کے مقررہ حقوق کی پاسداری کا پابند کرنے لگیں۔ تاہم انسانی حقوق کے مستحق صرف ان ریاستوں کے نسبتاً خوش نصیب باشندے ٹھہرے، جہاں جمہوری نمائندگی اور آئین کی بالادستی کے اصول کسی نہ کسی حد تک اپنائے جا چکے تھے، بالخصوص ان علاقوں میں جہاں کے سیاسی نظام انقلابات امریکہ، فرانس اور روس میں ابھرنے والے تصورات کی روشنی میں وضع کیے گئے۔ دنیا کے وسیع حصوں میں، جہاں نو آبادیاتی طاقتوں نے تسلط جمایا ہوا تھا یا جہاں قبائلی، فیوڈل نظام جاری تھا، انسانی حقوق کا احترام واجبی رہا۔

انسانی حقوق کی موجودہ تحریک کا آغاز دوسری جنگ کے بعد ہوا، جب اقوام عالم کے نمائندوں نے دو بنیادی فیصلے کیے۔ اول یہ کہ تمام اقوام کا، خواہ وہ چھوٹی ہیں یا بڑی، خود کفیل ہیں یا محتاج، آزاد مملکتیں قائم کرنے کا حق تسلیم کیا گیا۔ دوم یہ قرار دیا گیا کہ تمام انسانوں کے، بلالحاظ نسل ورنگ، بلا تفریق طرز حکومت و معاشرت، بنیادی حقوق ہیں جن سے انہیں محروم نہیں کیا جا سکتا۔ پہلے فیصلے نے نو آبادیات کی قومی آزادی کی تحریکوں کو تقویت بخشی اور بہت سے ممالک آزاد ریاستیں بن گئے، اور دوسرے فیصلے نے انسانی حقوق کو اخلاقی قدر سے بڑھا کر قانونی طور پر نافذ العمل حق کا درجہ دے دیا۔

گزشتہ چالیس برسوں میں انسانی حقوق کا احترام ساری دنیا میں پھیلانے کے سلسلے میں بہت سا کام ہوا ہے۔ عالمی اعلان نامہ میں درج حقوق کی وضاحت کے لیے دو بنیادی میثاق مرتب کیے گئے، پسماندہ اور غیر مراعات یافتہ طبقات مثلاً خواتین، اطفال، مہاجرین، محنت کشوں، قوانین کی زد میں آنے والے افراد کے حقوق کے تحفظ کے لیے مخصوص کنونشن وضع کیے گئے اور کہا جا سکتا ہے کہ انسانی حقوق سے متعلق مسائل سے نمٹنے کے لیے اداروں کا قیام اور ان کے طریق کار کا تعین بڑی حد تک ہو چکا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آنے والا دور انسانی حقوق کا دور ہوگا۔ کسی ملک کی ترقی اس کے عوام کے انسانی حقوق کے احترام سے جانچی جائے گی۔

بدقسمتی سے انسانی حقوق کے باب میں پاکستان کا ریکارڈ خاصا مایوس کن ہے۔ انسانی حقوق جمہوری نظام کا ثمر ہیں۔ یہاں جمہوری نظام کا آغاز ہی نہیں ہوا، آئین توڑنے یا اس سے گریز کی روایت مستحکم ہو چکی ہے۔ اس آئین میں کئی ایسی باتیں ہیں جو عالمی انسانی حقوق کے چارٹر سے واضح طور پر متصادم ہیں، مثال کے طور پر جداگانہ طریق انتخاب، پھر آئین میں درج بنیادی حقوق مختلف قوانین کے ذریعے محدود کر دیے گئے ہیں، محنت کشوں کے بارے میں عالمی کنونشنوں کا احترام نہیں کیا جاتا۔ حکومت پاکستان نے بیشتر عالمی کنونشنوں کی توثیق ابھی تک نہیں کی۔ انسانی حقوق کے بارے میں یہ عدم توجہی ماضی میں بالادست طبقات کے ذہنی دیوالیہ پن کی وجہ سے تھی۔ سیاسی اور سماجی نظام کے اعلیٰ عمرانی مقاصد تک ان کی نظر پہنچی ہی نہیں، لیکن اب انسانی حقوق سے گریز کے لیے نظریاتی بیساکھیوں کا سہارا لیا جانے لگا ہے۔

اقوام متحدہ کے وضع کردہ عالمی انسانی حقوق پر بڑا اعتراض مارکسی نقطہ نظر سے کیا جاتا رہا ہے۔ (اس کتاب میں شامل مضمون میں بھیکو پاریکھ نے اس مضمون پر سیر حاصل بحث کی ہے۔) اشتراکی کیمپ کے حالیہ زوال، بالخصوص سوویت یونین میں ردکمیونزم کے پیش نظر ممکن ہے بعض حضرات مارکسی حوالوں سے انسانی حقوق (یا کسی اور مسئلے) کو پرکھنا غیر ضروری سمجھیں۔ یہ رویہ سائنسی تحقیق کی اصول کے منافی ہے کیونکہ مارکسی استدلال کا متروک ہونا کہیں ثابت نہیں ہوا، صرف مارکسی نظریات کو سوویت یونین اور دوسرے اشتراکی ملک کے

MashalBooks.org

کچے پکے تجربات سے علیحدہ کر کے دیکھنے کی ضرورت ثابت ہوئی ہے، اور پہلے کے مقابلے میں زیادہ لوگ اس حقیقت سے آشنا ہوئے ہیں کہ بسا اوقات مارکسی حوالے دراصل مارکسی نہیں تھے۔ بہرحال بائیں بازو کے مفکرین کا یہ اعتراض اپنی جگہ قائم ہے کہ اقوام متحدہ کی وضع کردہ انسانی حقوق فرد کو تمام سماجی رشتوں اور فرائض سے کاٹ کر ایٹمی شکل میں دیکھتے ہیں اور یہ کہ یہ حقوق سرمایہ دارانہ معیشت کے مفاد میں مرتب کیے گئے ہیں، اسی لیے ان حقوق کے احترام کے یہ معنی نہیں کہ یہ تمام انسانوں، بالخصوص غیر مراعات یافتہ طبقات کو مساوی طور پر حاصل ہو گئے ہیں۔ ان اعتراضات سے یہ نتیجہ نکالنا کہ انسانی حقوق نظرانداز کر دیے جائیں، غلط ہے، کیونکہ ان حقوق کے نفاذ سے ہی عالمی تصورات کی خامیاں دور کرنے کی راہ نکلے گی۔ یہی باشعور مارکسی منصرین کا نقطہ نظر معلوم ہوتا ہے۔ پاکستان میں انسانی حقوق پر مارکسی حوالوں سے تنقید کم ہوئی ہے، البتہ ان حقوق سے گریز کی خاطر تین دلیلوں پر بھروسہ کیا جا رہا ہے۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ چونکہ امریکہ اور دوسرے مالدار مغربی ممالک پاکستان جیسے مقروض ممالک پر انسانی حقوق کی پابندی پر زور دے رہے ہیں اور چونکہ امداد دینے والے ملک پاکستان اور تیسری دنیا کے دوسرے ملکوں کی آزادی اور ترقی کے مخالف ہیں، (یا خوفزدہ ہیں) اس لیے پاکستان انسانی حقوق کے احترام کا پابند نہیں۔ یہ دلیل اتنی بودی ہے کہ تفصیل سے جواب دینا تضیع اوقات ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ پاکستان (اور ایسے دوسرے ملکوں میں) قومی ترقی اور انسانی حقوق کے احترام کے درمیان توازن قائم کرنا ضروری ہے۔ مراد یہ ہے کہ ”قومی ترقی“ کی خاطر انسانی حقوق کے تقاضوں کو پس پشت ڈالا جا سکتا ہے۔ اس دلیل میں دو نقص ہیں۔ اول یہ کہ کوئی ترقی جو انسانی حقوق کا معیار بلند نہیں کرتی، ترقی نہیں کہی جا سکتی بلکہ انسانی حقوق کے بڑھتے ہوئے مدارج ہی قومی ترقی کا پیمانہ ہوں گے۔ دوم یہ کہ قومی ترقی ہمیشہ ایسے عمل کی محتاج ہے، جس میں قوم کے تمام افراد اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق حصہ بٹائیں اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسانی حقوق کا مکمل احترام کیا جائے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے، اس کے عوام اسلام کے پیروکار ہیں۔ جو انسانی حقوق اسلام نے عطا کیے ہیں، وہ مغربی تصورات سے بہتر ہیں، اس لیے ہمیں مغرب کی تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ دلیل کئی ایسے مفروضات پر مبنی

MashalBooks.org

ہے جنہیں برسر اقتدار طبقات نے اپنے مفاد میں اٹل حقیقتوں کا لبادہ اوڑھا دیا ہے۔ درحقیقت یہ دلیل مذہب اور سماجی ارتقاء کے اصولوں سے ناواقف ملاؤں اور سرمایہ دارنہ معیشت کے نیم حکیم مبلغین کے گٹھ جوڑ کا شاخسانہ ہے۔ مختصر ترین غور سے ثابت ہوگا کہ اسلام کی منجمد تفسیر کے حوالے سے انسانی حقوق کی قطع برید اسلام کے اعلیٰ مقاصد سے انحراف کے مترادف ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی مسلمان معاشرہ اپنی مذہبی تعلیمات کی روشنی میں عالمی انسانی حقوق کا دائرہ وسیع کرنے کی کوشش کرنا چاہتا ہے تو اس پر پابندی نہیں۔

خوش قسمتی سے اس کتاب میں انسانی حقوق پر فکری بحث کے علاوہ بعض ایسے معاملات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جو پاکستان میں خالص اہمیت رکھتے ہیں۔ مثلاً کرسٹوفر ویرا منتری کے مضمون میں سائنس اور ہتھیاروں کی تیاری کے بارے میں بحث پاکستان کے اہم ترین مسائل میں شامل ہے۔ پاکستان کے ذہنی امراض کے ہسپتال عقوبت خانے بن گئے ہیں، جہاں انسانیت کی تذلیل معمول بن گیا ہے۔ مریضوں کے لیے صحت یاب ہونے کے امکانات اہتمام کے ساتھ ختم کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں جو تجربات ہندوستان میں کیے گئے ہیں، ان سے پاکستان میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اوپیندر بخشی کی ''حاصل کلام'' تحریر کے بارے میں شاید اتنا کہنا کافی ہوگا کہ انسانی حقوق کا مقصد عوام کی موجودہ حیثیت کا قیدی بنانا نہیں ہوسکتا، ان کا مقصد احترام آدمیت کو قطعی بنانا ہے، تاکہ ہر فرد انسانی عظمت کی منزل حاصل کر سکے۔ مانا بقول غالب ''آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا'' لیکن انسان کے انسان تسلیم کیے جانے کی جدوجہد سے بہتر جہاد نہ کل ممکن تھا، نہ آج ہے۔

آئی۔اے۔رحمان

MashalBooks.org

انسانی حقوق: عہد قدیم سے انقلاب فرانس تک

ناظر محمود

بنیادی انسانی حقوق کے تعین کا مسئلہ کوئی نیا نہیں۔ ابتدائے آفرینش سے ہی انسان جہاں اپنے مادی وسائل کو بروئے کار لا کر زیادہ سے زیادہ وسائل حاصل کرنے کی کوشش میں رہا ہے، وہیں اس نے اپنے خاندان یا گروہ میں آپس کے تعلقات یا دوسرے لفظوں میں حقوق و فرائض کا تعین بھی کرنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل بنیادی انسانی حقوق کا مسئلہ ابتدائی ریاستی اور مذہبی اداروں کی تشکیل کے ساتھ پروان چڑھا ہے اور حقوق حاصل کرنے کی اصل جدوجہد مختلف ریاستی اداروں کے خلاف ہی کی گئی ہے۔ آیئے سرسری طور پر دیکھتے ہیں کہ ابتدائی ریاستوں سے لے کر آج تک انسانی حقوق کا مسئلہ کن مراحل سے گزرا ہے۔

مشہور تاریخ دان ایما نفرید اپنی کتاب ''مختصر تاریخ عالم'' میں رقم طراز ہیں:

> ''چوتھے ہزارہ قبل مسیح کے اختتام تک جنوبی وادی دجلہ وفرات میں بیس سے زیادہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں موجود تھیں۔ ہمیں ان کے نام تو معلوم نہیں مگر اتنا ضرور پتہ ہے کہ ان کے حکمران بیک وقت بادشاہ اور پروہت تھے، جو پٹیسی (Patesi) کہلاتے تھے۔''

مصنف جن ریاستوں کا ذکر کر رہے ہیں، وہ سمیری قبائل کی تھیں اور سمیری زبان میں پٹیسی (Patesi) کا مطلب ہے ''پروہت راجہ''۔ یہ راجہ غلاموں کو اور ایسے طبقات کو، جن کے پاس کچھ نہ تھا، قابو میں رکھنے کے لیے ان ہی میں سے چند چالاک لوگوں کو تھوڑی زیادہ مراعات دے کر فوج کے عہدوں پر فائز کر دیتے تھے۔ جو آج تک ریاست کے بنیادی

MashalBooks.org

استحصالی اداروں میں شمار ہوتی ہے اور انسانی حقوق کی بحالی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

سب سے پہلے ریاست کون سی تھی، یہ تو نہیں بتایا جا سکتا، البتہ بڑی ریاستوں میں فرعون نے سب سے پہلے 3200 قبل مسیح میں مصر کی پوری سرزمین فتح کر لی تھی۔ اقتدار بڑے بڑے زمینداروں اور طبقہ امراء کے ہاتھ میں تھا۔ ایسی زمین پر، جو بادشاہ، اس کے درباریوں یا عبادت گاہوں کی ملکیت ہوتی، عام لوگوں سے جبری محنت لی جاتی، اہرام بنوائے جاتے، صرف ایک سب سے بڑے اہرام کی تعمیر میں بیس برس لگے، جبکہ مصر کی پوری آبادی سے اس میں بیگاری لی گئی تھی اور تیسرے مہینے ایک لاکھ آدمیوں کی پالی بدلا کرتی تھی۔ ظاہر ہے ایسی ریاست میں انسانی حقوق کی غاصب مشینری حکمران ہی تھے۔

انسانی حقوق کی پامالی میں ایک قدم اور اس وقت بڑھا جب 2500 قبل مسیح میں ''عکامہ'' کا حکمران سرگون اول تاریخ کا پہلا حکمران بنا، جس نے غریب کسانوں میں سے باقاعدہ فوج بھرتی کی اور انہیں بعد میں فوجی خدمت کے عوض قطعات اراضی دیے گئے۔ اس وقت عوام کو مکمل اطاعت گزار رکھنے کے لیے استحصالی ریاست کو اللہ تعالیٰ کی رحمت ثابت کیا جاتا اور اس کے قوانین اللہ تعالیٰ کے احکام اور ان کے نزول کی جگہ پہار بتائی جاتی۔ بابل کے بادشاہ حمورابی 1792-1750 ق م کا آئین دنیا کا پہلا تحریری آئین تھا۔ یہ آئین بھی مبینہ طور پر اللہ تعالیٰ کا دین تھا۔ اس کی 283 دفعات ایک پتھر کی سل پر کندہ تھیں، جو آج تک محفوظ ہیں۔

اس کے بارے ایمانفرید لکھتے ہیں:

> ''حمورابی کے قوانین کا مجموعہ صاف طور پر ایک ایسے سماج کی نشاندہی کرتا ہے، جس میں طبقاتی درجہ بندی سختی کے ساتھ نافذ ہو۔ زمینداروں، پروہتوں اور سوداگروں کے حقوق ملکیت کی ضمانت دی گئی ہو اور ان گروہوں کے مفادات کو نہایت احتیاط سے محفوظ کر دیا گیا ہو۔ حمورابی کا ضابطہ قوانین قدیم بابل میں غلاموں کی حیثیت پر بھی روشنی ڈالتا ہے، جسے ہم قرضے کی غلامی کہہ سکتے ہیں۔ وہ خاص طور پر بہت عام تھی۔ اگر کوئی شخص قرض لیتا اور معینہ مدت میں واپس نہ کر پاتا تو اسے ادائیگی

MashalBooks.org

خود اپنی اور اپنے بچوں کی محنت سے کرنی پڑتی۔ اس قسم کی غلامی عمر بھر کی بھی ہو سکتی تھی مگر حمورابی نے اسے تین سال تک محدود کر دیا۔‘‘

یہ تو تھے پہلے تحریری قوانین، جن میں انسانی حقوق کا کوئی واضح تعین تو نہ تھا، البتہ اس کی سرگرمیوں پر حدود ضرور لگائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ہر قبیلے کے مخصوص حالات اور اخلاقی و سماجی قدروں کے مطابق اس کے ارکان کے حقوق و فرائض ہوتے تھے۔ کسی قبیلے کے سیاہ و سفید کا مالک سربراہ ہوتا تھا، اس لیے قوانین اور حقوق بھی اس کی مرضی سے وجود میں آتے اور ختم ہوتے۔ وہ اپنے اور اپنے حواریوں کے مفادات کا تحفظ کرنا خوب جانتے تھے، اس لیے وہ عام انسانوں کے حقوق کم سے کم کرنے کے لیے مذہبی اور قانونی اداروں کا سہارہ لیتے۔ جس طرح ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ دنیا کا پہلا قانون کیا تھا، اسی طرح ہم یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ دنیا کی پہلی فوج کون سی تھی، جس نے انسانی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے میں بالادست کی مدد کی۔ یہ بتانا اس لیے مشکل ہے کہ ان کا ارتقاء بہت سست رفتاری سے ہوا، البتہ پہلی باقاعدہ فوج اور پہلے تحریری قوانین کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں، اس کے علاوہ پہلی گھڑ سوار فوج آٹھویں صدی قبل مسیح میں اشوری سلطنت میں وجود میں آئی۔

ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ریاست، قوانین، فوج اور انسانی حقوق کے مسائل تقریباً ایک ساتھ وجود میں آئے اور غلامانہ سماج نے انہیں پروان چڑھایا۔ پندرھویں صدی قبل مسیح میں جب ایشیائے کوچک کی حطی سلطنت اپنے عروج پر تھی تو حطی ضابطہ قوانین میں بیس سے زیادہ مدیں ایسی تھیں، جن کا تعلق غلاموں سے تھا۔ جنگی قیدیوں کی حیثیت سے ملک میں لائے جانے والے غلاموں کی تعداد بہت ہی بڑی تھی۔ غلام بن کر محنت کرنا قرضے کی ادائیگی کا ایک تسلیم شدہ طریقہ تھا۔ سلطنت پر ایک بادشاہ حکمرانی کرتا تھا، جسے دیوتاؤں کا رتبہ حاصل ہوتا۔ امور ریاست میں درباریوں، پروہتوں، سورماؤں، ساہوکاروں اور سوداگروں کا اہم حصہ ہوتا تھا اور غلاموں کی بڑی تعداد آزادی کے حق سے محروم رکھے جانے کے لیے فوج ہی کے ذریعے قابو میں کی جاتی تھی۔

آٹھویں صدی قبل مسیح میں ایران اور وادی دجلہ و فرات کے درمیان یورارتو کی سلطنت واقع تھی۔ مشرق کی دوسری قدیم سلطنتوں کی طرح یورارتو کا سماج بھی ایسا تھا جس

میں غلام رکھے جاتے تھے۔ آرگسٹس اورسرور دوم کی فوجی مہموں کے دوران بہت سارے قیدی ہاتھ آئے تھے، جنہیں غلاموں کی حیثیت سے کام پر لگادیا گیا۔ یورارتو کی تانبے اور لوہے کی کانوں میں تعمیر اورآب پاشی کے کاموں پر اور مویشی پالنے کے لیے بھی غلاموں کی محنت سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ حکمران طبقہ غلاموں کے مالک امراء فوجی رہنماؤں اور پروہتوں پر مشتمل تھا۔

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہو گی کہ ابتدائی ریاستوں میں بھی انسانی حقوق کی پامالی کے لیے فوج اور حکمران کے طفیل مذہبی اداروں نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس دوران ہزار ہا لوگ نبوت کے دعویدار ہوئے مگر سب سے پہلی نبوی ریاست تقریباً 1000ق م میں فلسطین میں قائم ہوئی، جس کے حکمران حضرت داوٗدؑ اور حضرت سلیمانؑ تھے، جنہوں نے معبد سلیمانی کی تعمیر کروائی، مگر اس دور میں بھی عوام آزادی کے حق سے محروم تھے اور غلاموں سے کام لینے کا رواج بہت زیادہ تھا۔ بادشاہ اورعبادت گاہوں کی زمینوں پر لاتعداد غلام کام کرتے تھے۔ ملک کے اصل باشندوں یعنی کنعانیوں کو بھی غلام بنا لیا گیا تھا اور اس سلطنت میں بھی انسانی حقوق کچلنے کے لیے فوج وہی روایتی کردار ادا کرتی رہی۔

برصغیر میں موہنجوڈرو اور ہڑپا میں بڑے بڑے محلوں کے کھنڈرات ملے ہیں جو یقیناً بادشاہوں کے رہے ہوں گے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ دراوڑی سماج میں بھی ریاستی اقتدار موجود تھا۔ امراء کے مکانوں اور غرباء کی بستیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ جائیداد پر مبنی سماجی تفریق موجود تھی اور انسانی حقوق کا مسئلہ اپنی ابتدائی شکل میں نمودار ہو چکا تھا۔

2000ق م اور 500ق م کے زمانے میں وسطی ایشیا سے آریاؤں کا ورود شمالی ہندستان میں ہوا۔ دراوڑیا تو مارے گئے یا غلام بن گئے اور ملازموں کا کام کرنے لگے۔ ان کے ساتھ وحشیانہ اورذلت آمیز برتاؤ کیا جاتا تھا اور اسی برتاؤ کی بنا پر ذات پات کی بنیادیں پڑیں۔ ہندستان کی پوری آبادی چار ذاتوں میں منقسم تھی۔ ساری دنیا کی طرح سب سے زیادہ محترم مذہبی لوگ ٹھہرے، یعنی برہمن۔ اس کے بعد روایتی استحصالی فوج یعنی کشتری، پھر دستکار اور تاجر یعنی ویش اور آخر میں شودر یعنی کسان اور غلام---اگر ہم ساری دنیا کے معاشروں کا اجمالی جائزہ لیں تو ہمیں انسانی حقوق کے معاملے میں ہر جگہ یہی تفریق نظر آئے گی۔

قدیم زمانہ میں لیکونیہ کی پوری آبادی تین گروہوں میں تقسیم تھی۔ پہلا گروہ جسے سب سے زیادہ حقوق حاصل تھے، اسپارٹنوں کا تھا جو ڈوریائی فاتحین کی نسل سے تھا۔ برصغیر کے آریاؤں کی طرح ساری زمین اسپارٹنوں کی ملکیت تھی، جو قریب قریب برابر کی جاگیرداری میں تقسیم تھی۔ وہ اس پر خود کھیتی نہیں کرتے تھے۔ آبادی میں وہ دس فیصدی تھے اور شہر اسپارٹا میں رہتے تھے۔ انہیں پورے سیاسی و شہری حقوق حاصل تھے، برصغیر کے برہمنوں کی طرح۔

دوسرا گروہ پیری اوئیسی کہلاتا تھا، جو اسپارٹا کے نواح میں رہتے تھے۔ یہ نوواردوں کی نسل سے تھے یا غلام بنائے ہوئے تھے۔ اس گروہ کے لوگوں کو کوئی سیاسی حقوق حاصل نہ تھے اور وہ دستکاروں کی حیثیت سے کام کرتے تھے، برصغیر کے ویشوں کی طرح۔

اور آخر میں تیسرا گروہ کھیت غلاموں یا ہیلٹوں پر مشتمل تھا۔ یہ غلام بنائے ہوئے لوگ تھے اور زمینیں جوتتے تھے۔ وہ ہر قسم کی شخصی آزادی سے محروم تھے اور ان کے خلاف وقتاً فوقتاً تعزیری مہمیں منظم کی جاتی تھیں، جن کا نتیجہ قتل عام ہوتا۔

انسانی حقوق کے معاملے میں قدیم ایتھنز کی آبادی کے بھی تین گروہ تھے۔ امیروں کا طبقہ جسے مراعات وراثت میں ملتی تھیں۔ یہ طبقہ ''یوپیٹرائڈ'' کہلاتا تھا اور ہر قسم کے حقوق سے بہرہ مند تھا۔ اس کے علاوہ عوام کو ''ڈیموس'' کہا جاتا تھا۔ اس میں بنئے، ماہی گیر، کسان اور دوسرے ہاتھ کا کام کرنے والے آتے تھے۔ انہیں شہری حقوق تو حاصل تھے مگر سیاسی حقوق نہ تھے۔ تیسرا گروہ غیر ملکیوں کا تھا جو ''میٹک'' کہلاتے تھے۔ یہ لوگ بھی بنئے اور دستکار تھے اور انہیں کوئی شہری یا سیاسی حقوق حاصل نہ تھے۔ غلام ایک بالکل الگ کھاتے میں آتے تھے جنہیں جانور سمجھا جاتا تھا۔

سلطنت روم کی آبادی کو بھی انسانی حقوق کے لیے جائیداد اور آمدنی کے اعتبار سے پانچ طبقات میں بانٹا گیا تھا اور سب سے غریب لوگ ان پانچ طبقات سے بھی نیچے تھے جو ''پرولتاری'' کہلاتے تھے۔ سلطنت روم کے ابتدائی دنوں میں جرگے کا نظام تھا اور حکمران ''پیٹری شین'' کہلاتے تھے، جو موروثی امراء ہوتے۔ عام شہری ''پلی بیئن'' کہلاتے تھے۔ پانچویں اور تیسری صدی قبل مسیح کے درمیان پیٹری شینوں اور پلی بینوں میں شدید